بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ جرمنی

اخبار احمدیہ

جماعت احمدیہ جرمنی کا ترجمان

جلد نمبر۔12 مدیر: نعیم احمد نیّر کتابت وڈیزائننگ؛ رشید الدین، ماہ۔شہادت۔ھش، 1386 بمطابق۔اپریل 2007ء شمارہ نمبر 5

ارشاد باری تعالیٰ

تو کہ دے کہ وہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور اُس کا کبھی کوئی ہمسر نہیں ہوا۔

(سورت الاخلاص، ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

توحید پرستوں کا بادشاہ ﷺ

رسول اللہ ﷺ کی کھلائی ام ایمنؓ بیان کرتی ہیں کہ ''بوانہ'' وہ بت تھا جس کی قریش تعظیم کرتے تھے۔ اُس کے پاس حاضری دے کر قربانیاں گزارتے اور سال میں ایک دن وہاں اعتکاف کرتے تھے۔ ابو طالب بھی اپنی قوم کے ساتھ وہاں جاتے اور رسول اللہؐ کو بھی ساتھ لے جانا چاہتے مگر آپ ﷺ انکار کر دیتے۔ یہاں تک کے بعض اوقات حضورؐ کی پھوپھیاں اور ابو طالب آپؐ سے سخت ناراض ہوتے اور کہتے کہ بتوں سے آپ کی بیزاری کے باعث ہمیں آپؐ کے بارے میں ڈر ہی رہتا ہے۔ ایک دفعہ اپنی پھوپھیوں کے اصرار پر آپؐ وہاں چلے تو گئے مگر سخت خوفزدہ ہو کر واپس آ گئے اور کہا کہ میں نے ایک عجیب منظر دیکھا ہے۔ پھوپھیوں نے کہا کہ اتنے نیک انسان پر شیطان اثر نہیں کر سکتا اور پوچھا، آپ نے کیا دیکھا ہے۔ آپؐ نے بتایا کہ جونہی میں بت کے قریب جانے لگتا تھا تو سفید رنگ اور لمبے قد کا ایک شخص چلاّ کر کہتا تھا کہ اے محمدؐ! پیچھے رہو اور اس بت کو مت چھوؤ۔ بعد میں پھوپھیوں نے بھی بتوں کے پاس جانے کے لئے اصرار چھوڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ آپؐ کو ایسی مشرکانہ رسوم سے محفوظ رکھا۔

(بیہقی، بحوالہ کتاب اسوۂ انسانِ کامل، صفحہ ۳۰، ۳۱)

تبلیغی اسٹال بمقام لی ہائیم

لوکل امارت ریڈسٹڈٹ کے حلقہ لی ہائیم میں مورخہ ۲۳ مارچ ۲۰۰۷ء کو پرائمری سکول میں جماعتی تبلیغی سٹال لگایا گیا۔ اسکول میں سالانہ فیسٹ تھا لوکل سیکرٹری تبلیغ مکرم مظفر محمود صاحب نے اسکول کی ھیڈ مسٹرس سے مل کر سٹال کی اجازت لی۔ انہوں نے شام چار بجے سے چھ بجے تک اجازت دی۔ اسٹال بہت کامیاب رہا۔ ستر مہمانوں نے اسٹال وزٹ کیا اور چوبیس ایورو کی کتب فروخت ہوئیں نیز مہمانوں نے ہمارا لٹریچر مفت بھی لیا۔ چھ خدام اور دو انصار نے ڈیوٹی دی۔

(رپورٹ۔ راجہ نذیر احمد، صدر حلقہ لی ہائیم)

مختصر خبریں۔ لوکل امارت ہمبرگ سٹی اور ڈیٹسن باخ میں ۲۵ مارچ کو جلسہ ہائے یوم مسیح موعودؑ منعقد ہوئے۔ ڈیٹسن باخ میں ۳۲ احمدی احباب نے انتظامیہ کے ساتھ مل کر شہر کی صفائی میں حصّہ لیا۔ میئر نے شرکاء کے اعزاز میں ظہرانہ دیا اور اپنی تقریر میں جماعت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تعریف کی کہ جماعت احمدیہ ایک پُر امن جماعت ہے۔ بشیر مسجد بینز ہائیم میں ۲۹ مارچ کو چھٹی کلاس کے چوبیس بچے آئے اور اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

سانحہ ارتحال۔ خاکسار کے والد مکرم شیخ گلزار محمد صاحب مورخہ ۲۱ مارچ ۲۰۰۷ء کو شیخوپورا میں بعمر ۹۳ سال وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ اپنے خاندان میں اکیلے احمدی تھے اور جماعت کی خاطر بہت قربانیاں دیں۔ ۱۹۵۳ء میں اسیر راہ مولیٰ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ جماعتی طور پر کئی عہدہ جات پر خدمت کا موقع ملا۔ مرحوم تہجد گزار، دُعا گو، اور خلافت کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے تھے۔ مرحوم موصی تھے۔ بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین ہوئی۔ احباب دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ آمین۔

(محمد اسلام الدین، اسسٹنٹ نیشنل سیکرٹری وقف نو، Worms)

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

عیسائیوں کا عقیدہ جو انجیل پر تھا پایا جاتا ہے یہ ہے کہ ''اقنوم ثانی جو ابن اللہ کہلاتا ہے وہ قدیم سے اس بات کا خواہشمند تھا کہ کسی انسان کو بے گناہ پا کر اُس سے ایسا تعلق پکڑے کہ وہ ہی ہو جائے۔'' سو ایسا انسان اُس کو یسوع سے پہلے کوئی نہ ملا اور نوع انسان کا ایک لمبا سلسلہ جو یسوع سے پہلے چلا آتا تھا اُس میں اس صفت کا آدمی کوئی نہ پایا گیا۔ آخر یسوع پیدا ہوا اور وہ اس صفت کا آدمی تھا۔ لہذا اقنوم ثانی نے اُس سے تعلق عینیتّ پیدا کیا اور یسوع اور اقنوم ثانی ایک ہو گئے اور جسم اُن کے لئے ایک لازمی صفت ٹھہری جو ابدالآباد تک کبھی منفک نہیں ہو گی اور اس طرح پر ایک جسمانی خدا بن گیا۔ یعنے یسوع اور دوسری طرف روح القدس بھی جسمانی طور پر ظاہر ہؤا اور وہ کبوتر بن گیا۔ اب عیسائیوں کے نزدیک خُدا سے مراد یہ کبوتر اور یہ انسان ہے جو یسوع کہلاتا ہے۔ اور جو کچھ ہیں یہی دونوں ہیں۔ اور باپ کا وجود بجز اُن کے کچھ بھی جسمانی طور پر نہیں۔

پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ''توحید نجات کے لئے کافی نہیں تھی جب تک اقنوم ثانی مجسّم ہو کر تولّد کی معمولی راہ سے پیدا نہ ہوتا۔ اور اقنوم ثانی کا مجسّم ہونا کافی نہیں تھا۔ جب تک اُس پر موت نہ آتی اور موت کافی نہیں تھی جب تک اس مجسّم اقنوم ثانی پر جو یسوع کہلاتا تھا تمام دُنیا کی لعنت نہ ڈالی جاتی''۔ پس تمام مدار عیسائیت کا اُن کے خدا کی لعنتی موت پر ہے۔ غرض ان کے نزدیک خدا کا وجود اُن کے لئے ہرگز مفید نہیں جب تک یہ تمام مصیبتیں اور ذلتیں اُس پر نہ پڑیں۔ پس ایسا خدا نہایت ہی قابل رحم ہے جس کو عیسائیوں کے لئے اس قدر مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''اقنوم ثانی کا تعلق جو حضرت یسوع سے اتحاد اور عینیتّ کے طور سے تھا یہ پاک ہونے اور پاک رہنے کی شرط سے تھا۔ اور اگر وہ گناہ سے پاک نہ ہوتا یا آئندہ پاک نہ رہ سکتا تو یہ تعلق بھی نہ رہتا''۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ تعلق کسبی ہے ذاتی نہیں ہے۔ اور اس قاعدہ کی رُو سے فرض کر سکتے ہیں کہ ہر ایک شخص جو پاک رہے وہ بلا تامّل خدا بن سکتا ہے۔

(کتابُ البریّہ، روحانی خزائن جلد 13، صفحہ 68.67)

قراردادِ تعزیّت

ہم سب ممبران دارالقضاء جرمنی اپنے بزرگوار، صاحبِ علم و فضل رفیق کار، ممبر قضاء بورڈ، محترم الحاج غلام محی الدین صاحب کی وفات (مورخہ ۲۱ مارچ ۲۰۰۷) پر سوگوار ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ''کل من علیھافان ویبقی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام''۔

آنمحترم نہایت وقیع اور صائب الرائے ہوتے ہوئے قضائی معاملات میں صلح جوئی اور افہام و تفہیم کے لحاظ سے بلیغ النظر تھے۔ علم و ادب میں بھی آپ کا خاص مقام تھا۔ آپ ہمارے میرِ محفل بھی تھے۔ شعر و سخن سے پیاسی روحوں کو سیراب کرنے والے تھے۔ ہم مرحوم کے جملہ لواحقین سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ علیّین کا مقام مرحمت فرمائے۔ اور لواحقین و پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ آمین۔

ہم ہیں سوگوار۔ ممبران دارالقضاء جرمنی۔

تاریخ اسلام کا ایک ورق

شوال ۳ھ مطابق مارچ ۶۲۴ء

جنگِ اُحد

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی کتاب ''سیرت خاتم النّبیّین ﷺ سے جنگ اُحد کے حالات دیئے جا رہے ہیں۔ یورپ میں اسلام کے خلاف اس شدت سے پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ اکثر عوام کو یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ جنگیں اسلام دُشمن طاقتوں کے حملہ کے نتیجہ میں ہوئیں۔ امید ہے احباب اپنے ماحول میں ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ (مدیر)

جنگ بدر کے نتیجہ میں جو ماتمِ عظیم مکّہ میں برَ پا ہوا تھا اس کا ذکر جنگِ بدر کے حالات میں کیا جا چکا ہے۔

سردارانِ قریش نے قسمیں کھائی تھیں کہ جب تک مقتولینِ بدر کا انتقام نہ لے لیں گے اسوقت تک چین نہ لیں گے۔ اُن کا اِس جذبہء انتقام کو مدینہ کے بدعہد یہود کی خفیہ اشتعال انگیزیوں نے اور بھی زیادہ بھڑکا دیا تھا۔ چنانچہ بدر کے بعد قریش مکّہ نے دوسرے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بہت سخت اکسانا شروع کر دیا اور خود بھی برابر اس تاک میں رہے کہ جب بھی موقع ملے مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں کچل ڈالیں۔ بنوسلیم اور بنو غطفان کا مدینہ پر حملہ آور ہونے کی غرض سے بار بار جمع ہونا جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، زیادہ تر قریش مکّہ ہی کی اشتعال انگیزیوں کا نتیجہ تھا۔ غزوہ سویق بھی جس میں ابو سفیان نے مدینہ پر شبخون مارنے کی تجویز کی تھی اسی زنجیر کی ایک کڑی تھی اور چونکہ خدا کے فضل سے اس غزوہ میں قریش کو ذلت کا منہ دیکھنا پڑا تھا، اس لئے اُن کا جوش انتقام اور بھی زیادہ ہو گیا تھا۔ اور گو اُس وقت انہوں نے عرب کے سامنے اپنی عزت رکھنے کے لئے یہ کہہ دیا تھا کہ ہماری قسم پوری ہو گئی ہے، لیکن اُن کے دل اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ غزوہ سویق نے ان کے ماتھے پر ذِلّت کا ایک اور دھبّہ لگا دیا تھا۔ لہٰذا اس کے بعد انہوں نے آگے سے بھی زیادہ جوش خروش کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کی، چنانچہ غزوہ اُحد جس کا ہم اب ذکر کرنے لگے ہیں اسی تیاری کا نتیجہ تھا۔ جس تجارتی قافلہ کا ذکر جنگ بدر کے حالات میں گزر چکا ہے اس کے منافع کا روپیہ جس کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی روسائے مکّہ کے فیصلہ کے مطابق ابھی تک دارالندوہ میں مسلمانوں کے خلاف حملہ کرنے کی تیاری کے واسطے محفوظ پڑا تھا۔ اب اس روپیہ کو نکالا گیا اور بڑے زور شور سے جنگ کی تیاری شروع ہوئی۔ مسلمانوں کو اس تیاری کا علم بھی نہ ہوتا اور لشکر کفار مسلمانوں کے دروازے پر پہنچ جاتا۔ مگر آنحضرت ﷺ کی بیدار مغزی نے تمام ضروری احتیاطیں اختیار کر رکھی تھیں۔ یعنی آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کو جو دل میں آپ کے ساتھ تھے مکّہ میں ٹھہرے رہنے کی تاکید کر رکھی تھی اور وہ قریش کی حرکات وسکنات سے آپ ﷺ کو اطلاع دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ عباس بن عبدالمطلب نے اس موقعہ پر بھی قبیلہ بنوغفار کے ایک تیز رو سوار کو بڑے انعام کا وعدہ دے کر مدینہ کی طرف روانہ کیا اور ایک خط کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو قریش کے اس ارادہ کی اطلاع دی۔ اور اس قاصد کو سخت تاکید کی کہ تین دن کے اندر اندر آپ ﷺ کو یہ خط پہنچا دے۔ جب یہ قاصد مدینہ پہنچا تو اتفاق سے اُس وقت آنحضرت ﷺ مدینہ کے حوالی قبا میں تشریف لے گئے ہوئے تھے، چنانچہ یہ قاصد آپ ﷺ کے پیچھے وہیں قبا میں پہنچا۔ اور آپ کے سامنے یہ بند خط پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے فوراً اپنے کاتب خاص اُبی بن کعب انصاری کو یہ خط دیا اور فرمایا کہ اسے پڑھ کر سناؤ کہ کیا لکھا ہے۔ اُبّی نے خط پڑھ کر سنایا تو اس میں یہ وحشت ناک خبر درج تھی کہ قریش کا ایک جرّار لشکر مکّہ سے آ رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خط سُن کر اُبّی بن کعب کو تاکید فرمائی کہ اس کے مضمون سے کسی کو اطلاع نہ ہو۔ اور پھر آپ نے مدینہ مین واپس تشریف لا کر اپنے دو صحابیوں کو لشکرِ قریش کی خبر رسانی کے لئے مکّہ کے راستہ کی طرف روانہ فرما دیا۔ غالباً اسی موقع پر آپ ﷺ نے مسلمانوں کی تعداد و طاقت معلوم کرنے کے لئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مدینہ کی تمام مسلمان آبادی کی مردم شماری کی جاوے۔ چنانچہ مردم شماری کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس وقت تک کُل پندرہ سو مسلمان مُتنفّس ہیں۔

اس وقت کے حالات کے ماتحت اسی تعداد کو بہت بڑی تعداد سمجھا گیا۔ چنانچہ بعض صحابہ نے تو اس وقت خوشی کے جوش میں یہاں تک کہہ دیا کہ کیا اب بھی جبکہ ہماری تعداد ڈیڑھ ہزار تک پہنچ گئی ہے ہمیں کسی کا ڈر ہو سکتا ہے۔ مگر انہی میں سے ایک صحابی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم پر ایسے ایسے سخت وقت آئے کہ بعض اوقات ہمیں نماز بھی چھُپ کر ادا کرنی پڑتی تھی۔ ایک موقعہ پر اس سے پہلے بھی آپ ﷺ نے مسلمانوں کی مردم شماری کروائی تھی تو اس وقت چھ اور سات سو کے درمیان تعداد نکلی تھی۔ غالباً رمضان ۳ھ کے آخر یا شوال کے شروع میں قریش کا لشکر مکّہ سے نکلا۔ لشکر میں دوسرے قبائل عرب کے بہت سے بہادر بھی شامل تھے۔ ابوسفیان سردارِ لشکر تھا۔ لشکر کی تعداد تین ہزار تھی جس میں سات سو زرہ پوش سپاہی تھے۔ سواری کا سامان بھی کافی تھا۔ یعنی دو سو گھوڑے اور تین ہزار اُونٹ تھے۔ اور سامانِ حرب بھی کافی وشافی مقدار میں تھا۔ عورتیں بھی ساتھ تھیں جن میں ہند زوجہ ابو سفیان، عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ، خالد بن ولید، اور عمرو ابن العاص کی بیویاں اور مصعب بن عمیر صحابی کی مشترکہ ماں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ عورتیں عرب کی قدیم رسم کے مطابق گانے بجانے کا سامان اپنے ساتھ لائی تھیں تا اشتعال انگیز اشعار گا کر اور دفیں بجا کر اپنے مردوں کو جوش دلاتی رہیں۔ قریش کا یہ لشکر دس گیارہ دن کے سفر کے بعد مدینہ کے پاس پہنچا اور چکر کاٹ کر مدینہ کے شمال کی طرف اُحد کی پہاڑی کے پاس ٹھہر گیا۔ اس جگہ کے قریب ہی عریض کا سرسبز میدان تھا جہاں مدینہ کے مویشی چرا کرتے تھے اور کچھ کھیتی باڑی بھی ہوتی تھی۔ قریش نے سب سے پہلے اس چراہ گاہ پر حملہ کر کے اُس میں من مانی غارت مچائی۔ جب آنحضرت ﷺ کو اپنے مخبروں سے لشکرِ قریش کے قریب آ جانے کی اطلاع موصول ہوئی تو آپ نے اپنے ایک صحابی حباب بن منذر کو روانہ فرمایا کہ وہ جا کر دشمن کی تعداد اور طاقت کا پتہ لائیں اور آپ ﷺ نے انہیں تاکید فرمائی کہ اگر دُشمن کی طاقت زیادہ ہو اور مسلمانوں کے لئے خطرہ کی صورت ہو تو واپس آ کر مجلس میں اس کا ذکر نہ کریں بلکہ علیحدگی میں اطلاع دیں تا کہ اس سے کسی قسم کی بد دلی نہ پھیلے۔ حباب خفیہ گئے اور نہایت ہوشیاری سے تھوڑی دیر میں ہی واپس آ کر آنحضرت ﷺ سے سارے حالات عرض کر دیئے۔ یہ جمعرات کا دن تھا اور اب لشکرِ قریش کی آمد کی خبر مدینہ میں پھیل چکی تھی۔ اور عریض پر جو اُن کا حملہ ہوا تھا اس کی اطلاع بھی عام ہو چکی تھی اور گو عامۃ الناس کو لشکرِ کفار کے تفصیلی حالات کا علم نہیں دیا گیا تھا مگر پھر بھی یہ رات مدینہ میں سخت خوف اور خطرہ کی حالت میں گزری۔ خاص خاص صحابہ نے ساری رات آنحضرت ﷺ کے مکان کے ارد گرد پہرہ دیا۔ صبح جمعہ کا دن تھا، آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کر کے اُن سے قریش کے اس حملہ کے متعلق مشورہ مانگا کہ آیا مدینہ میں ہی ٹھہرا جاوے یا باہر نکل کر مقابلہ کیا جاوے۔ اس مشورہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی شریک تھا جو دراصل تو منافق تھا مگر بدر کے بعد بظاہر مسلمان ہو چکا تھا اور یہ پہلا موقعہ تھا آنحضرت ﷺ نے اسے مشورہ میں شرکت کی دعوت دی۔ مشورہ سے قبل آنحضرت ﷺ نے قریش کے حملے اور اُن کے خونی ارادوں کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ آج رات میں نے خواب میں ایک گائے دیکھی ہے اور نیز میں نے دیکھا کہ میری تلوار کا سرٹوٹ گیا ہے۔ اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ گائے ذبح کی جا رہی ہے اور میں نے دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک محفوظ اور مضبوط زرہ کے اندر ڈالا ہے۔ اور ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک مینڈھا ہے جس کی پیٹھ پر میں سوار ہوں۔ صحابہ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ! آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''گائے کے ذبح ہونے سے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے صحابہ میں سے بعض کا شہید ہونا مُراد ہے اور میری تلوار کے کنارے کے ٹوٹنے سے میرے عزیزوں میں سے کسی کی شہادت کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ یا خود مجھے اس مہم میں کوئی تکلیف پہنچے۔ اور زرہ کے اندر ہاتھ ڈالنے سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس حملہ کے مقابلہ کے لئے ہمارا مدینہ کے اندر ٹھہرنا زیادہ مناسب ہے۔ اور مینڈھے پر سوار ہونے والی خواب کی آپ ﷺ نے یہ تاویل فرمائی کہ اس سے کفار کے لشکر کا سردار یعنی علم بردار مراد ہے جو انشاء اللہ مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ طلب فرمایا کہ موجودہ صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ بعض اکابر صحابہ نے حالات کی اُونچ نیچ کو سوچ کر اور شائد کسی قدر آنحضرت ﷺ کے خواب سے بھی متاثر ہو کر یہ رائے دی کہ مدینہ میں ہی ٹھہر کر مقابلہ کرنا مناسب ہے، یہی رائے عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین نے دی اور آنحضرت ﷺ نے بھی اسی رائے کو پسند فرمایا اور کہا کہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم مدینہ کے اندر رہ کر ان کا مقابلہ کریں، لیکن اکثر صحابہ نے اور خصوصاً ان نوجوانوں نے جو بدر کی جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے اور اپنی شہادت سے خدمت دین کا موقعہ حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے بڑے اصرار کے ساتھ عرض کیا کہ شہر سے باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کرنا چاہئے۔ ان لوگوں نے اس قدر اصرار کے ساتھ اپنی رائے کو پیش کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے جوش کو دیکھ کر ان کی بات مان لی۔ اور فیصلہ فرمایا کہ ہم کھلے میدان میں نکل کر کفّار کا مقابلہ کریں گے اور پھر جمعہ کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے مسلمانوں میں عام تحریک فرمائی کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کی غرض سے اس غزوہ مین شامل ہو کر ثواب حاصل کریں۔ اس کے بعد آپ اندرون خانہ تشریف لے گئے جہاں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی مدد سے عمامہ باندھا اور لباس پہنا اور پھر ہتھیار لگا کر اللہ کا نام لیتے ہوئے باہر تشریف لے آئے لیکن اتنے عرصہ میں حضرت سعد بن معاذ رئیس قبیلہ اوس اور دوسرے اکابر صحابہ کے سمجھانے سے نوجوان پارٹی کو اپنی غلطی محسوس ہونے لگی تھی کہ رسول خدا کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرنا چاہئے تھا اور اب اکثر ان میں سے پشیمانی کی طرف مائل تھے۔ جب ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو ہتھیار لگائے اور دوہری زرہ اور خود وغیرہ پہنے ہوئے تشریف لاتے دیکھا تو اُن کی ندامت اور بھی زیادہ ہو گئی اور انہوں نے قریباً یک زبان ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم نے آپ کی رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے پر اصرار کیا۔ آپ ﷺ جس طرح مناسب خیال فرماتے ہیں اُسی طرح کاروائی فرمائیں۔ انشاء اللہ اُسی میں برکت ہو گی۔ آپ نے فرمایا ''خدا کے نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ ہتھیار لگا کر پھر اسے اتار دے قبل اس کے کہ خدا کوئی فیصلہ کرے''۔ پس اب اللہ کا نام لے کر چلو اور اگر تم نے صبر سے کام لیا تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے ساتھ ہو گی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے لشکرِ اسلامی کے تین جھنڈے تیار کروائے۔ قبیلہ اوس کا جھنڈا اسید بن الحضیر کے سپرد کیا گیا اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حباب بن

منذر کے ہاتھ میں دیا گیا اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علیؓ کو دیا گیا اور پھر مدینہ میں عبداللہ بن ام مکتوم کو امام الصلوٰۃ مقرر کر کے آپ ﷺ صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ہمراہ نماز عصر کے بعد مدینہ سے نکلے۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے رؤساء سعد بن معاذ اور سعد بن عبادۃ آپ کی سواری کے سامنے آہستہ آہستہ دوڑتے جاتے تھے اور باقی صحابہ آپ کے دائیں اور بائیں اور پیچھے چل رہے تھے۔ اُحد کا پہاڑ مدینہ سے شمال کی طرف قریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کے نصف میں پہنچ کر اس مقام میں جسے شیخین کہتے ہیں آپ نے قیام فرمایا اور لشکر اسلامی کے جائزہ لئے جانے کا حکم دیا۔ کم عمر بچے جو جہاد کے شوق میں ساتھ آ گئے تھے واپس کئے گئے۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، ابوسعید خدری وغیرہ سب واپس کئے گئے۔ رافع بن خدیج انہیں بچوں کے ہم عمر تھے مگر تیراندازی مین اچھی مہارت رکھتے تھے ان کی اس خوبی کی وجہ سے اُن کے والد نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ان کی سفارش کی کہ ان کو شریکِ جہاد ہونے کی اجازت دی جاوے۔ آنحضرت ﷺ نے رافع کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ سپاہیوں کی طرح خوب تن کر کھڑے ہو گئے تا کہ چست اور لمبے نظر آئیں، چنانچہ اُن کا یہ داؤ چل گیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کو ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ اس پر ایک اور بچہ سمرۃ بن جندب نامی جسے واپسی کا حکم مل چکا تھا اپنے باپ کے پاس گیا اور کہا کہ اگر رافع کو لیا گیا ہے تو مجھے بھی اجازت ملنی چاہئے کیونکہ میں رافع سے مضبوط ہوں اور اُسے کشتی میں گرا لیتا ہوں۔ باپ کو بیٹے کے اس اخلاص پر بہت خوشی ہوئی اور وہ اسے ساتھ لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے بیٹے کی خواہش بیان کی۔ آنحضرت ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا اچھا رافع اور سمرۃ کی کُشتی کرواؤ، تا کہ معلوم ہو کہ کون زیادہ مضبوط ہے، چنانچہ مقابلہ ہوا اور واقع میں سمرۃ نے پل بھر میں رافع کو اُٹھا کر دے مارا جس پر آنحضرت ﷺ نے سمرۃ کو بھی ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس معصوم بچے کا دل خوش ہو گیا۔ اب چونکہ شام ہو چکی تھی اس لیئے بلال نے آذان کہی اور سب صحابہ نے آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی اور پھر رات کے واسطے مسلمانوں نے یہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور آنحضرت ﷺ نے رات کے پہرے کے لیئے محمد بن مسلمہ کو منتظم مقرر فرمایا جنہوں نے پچاس صحابہ کی جماعت کے ساتھ رات بھر لشکرِ اسلامی کے ارد گرد چکر لگاتے ہوئے پہرہ دیا۔ دوسرے دن یعنی ۱۵ شوال ۳ھ مطابق ۳۱ مارچ ۶۲۴ء بروز ہفتہ، سحری کے وقت لشکرِ اسلامی آگے بڑھا اور راستے میں نماز ادا کرتے ہوئے صُبح ہوتے ہی اُحد کے دامن میں پہنچ گیا۔ اس موقعہ پر بد باطن عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین نے غداری کی اور اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کے لشکر سے ہٹ کر یہ کہتا ہوا مدینہ کی طرف واپس لوٹ گیا کہ محمد ﷺ نے میری بات نہیں مانی اور ناتجربہ کار نوجوانوں کے کہنے میں آ کر باہر نکل آئے ہیں اس لئے میں ان کے ساتھ ہو کر نہیں لڑ سکتا۔ بعض لوگوں نے بطور خود اُسے سمجھایا بھی کہ یہ غداری ٹھیک نہیں ہے مگر اس نے ایک نہ سُنی اور یہی کہتا گیا کہ یہ کوئی لڑائی ہوتی تو میں بھی شامل ہوتا مگر یہ کوئی لڑائی نہیں ہے بلکہ خود ہلاکت کے منہ میں جانا ہے۔ اب اسلامی لشکر کی تعداد صرف سات سو نفوس پر مشتمل تھی۔ جو کفار کے تین ہزار کے مقابلہ میں ایک چہارم سے بھی کم تھی اور سواری اور سامانِ حرب کے لحاظ سے بھی اسلامی لشکر قریش کے مقابلہ میں بلکل کمزور اور حقیر تھا کیونکہ مسلمانوں کی فوج میں صرف ایک سو زرہ پوش اور فقط دو گھوڑے تھے۔ اس کے بالمقابل کفار کے لشکر میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ اس کمزوری کی حالت میں جسے مسلمان خوب محسوس کرتے تھے عبداللہ بن ابی کے تین سو آدمی کی غدّاری نے بعض کمزور دل مسلمانوں میں ایک بے چینی اور اضطراب کی حالت پیدا کر دی تھی۔ اور ان مین سے بعض متزلزل ہونے لگ گئے۔ چنانچہ جیسا کہ قرآن شریف میں بھی اشارہ کیا گیا ہے اسی گھبراہٹ اور اضطراب کی حالت میں مسلمانوں کے دو قبائل بنو حارثہ اور بنو سلمہ نے مدینہ کی طرف واپس لوٹ جانے کا ارادہ بھی کر لیا، مگر چونکہ دل میں نورِ ایمان موجود تھا پھر سنبھل گئے اور ظاہری اسباب کے لحاظ سے موت کو سامنے دیکھتے ہوئے بھی اپنے آقا کے پہلو کو نہ چھوڑا۔ آنحضرت ﷺ خدا کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے آگے بڑھے اور احد کے دامن میں ڈیرا ڈال دیا۔ ایسے طریق پر کہ اُحد کی پہاڑی مسلمانوں کے پیچھے کی طرف آ گئی اور مدینہ گویا سامنے رہا۔ اور اس طرح آپ نے لشکر کا عقب محفوظ کر لیا۔ عقب کی پہاڑی میں ایک درّہ تھا جہاں سے حملہ ہو سکتا تھا اُس کی حفاظت کا آپ نے یہ انتظام فرمایا کہ عبداللہ بن جبیر کی سرداری میں پچاس تیرانداز صحابی وہاں متعین فرما دیئے اور ان کو تاکید فرمائی کہ خواہ کچھ ہو جاوے وہ اس جگہ کو نہ چھوڑیں اور دُشمن پر تیر برساتے جائیں۔ آپ ﷺ کو اس درّہ کی حفاظت کا اس قدر خیال تھا کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن جبیر سے بہ تکرار فرمایا کہ دیکھو یہ درّہ کسی صورت میں خالی نہ رہے حتیٰ کہ اگر تم دیکھو کہ ہمیں فتح ہو گئی ہے اور دُشمن پسپا ہو کر بھاگ نکلا ہے تو پھر بھی تم اس جگہ کو نہ چھوڑنا اور اگر تم دیکھو کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی ہے اور دُشمن ہم پر غالب آ گیا ہے تو پھر بھی تم اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ حتیٰ کہ ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ ''اگر تم دیکھو کہ پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہیں تو پھر بھی تم یہاں سے نہ ہٹنا حتیٰ کہ تمھیں یہاں سے ہٹ جانے کا حکم جاوے۔ اس طرح اپنے عقب کو پوری طرح مضبوط کر کے آپ ﷺ نے لشکرِ اسلامی کی صف بندی کی اور مختلف دستوں کے جُدا جُدا امیر مقرر فرمائے۔ اس موقعہ پر آپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ لشکرِ قریش کا جھنڈا طلحہ کے ہاتھ میں ہے۔ طلحہ اس خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو قریش کے مورث اعلیٰ قُصّی بن کلاب کے قائم کردہ انتظام کے ماتحت جنگوں میں قریش کی علمبرداری کا حق رکھتا تھا۔ یہ معلوم کر کے آپ ﷺ نے فرمایا ''ہم قومی وفاداری دکھانے کے زیادہ حق دار ہیں چنانچہ آپ نے حضرت علی سے مہاجرین کا جھنڈا لے کر مصعب بن عمیر کے سپرد فرما دیا جو اسی خاندان کا ایک فرد تھا جس سے طلحہ تعلق رکھتا تھا۔

دوسری طرف قریش کے لشکر میں بھی صف آرائی ہو چکی تھی۔ ابوسفیان امیر العسکر تھا۔ میمنہ پر خالد بن ولید کمانڈر تھا۔ اور میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل تھا۔ تیر انداز عبداللہ بن ربیعہ کی کمان میں تھے۔ عورتیں لشکر کے پیچھے دفیں بجا بجا کر اور اشعار گا گا کر مردوں کو جوش دلاتی تھیں۔ سب سے پہلے لشکر قریش سے ابو عامر اور اس کے ساتھی آگے بڑھے۔ اس شخص کا ذکر اوپر گزر چکا ہے کہ یہ قبیلہ اوس میں سے تھا اور مدینہ کا رہنے والا تھا اور راہب کے نام سے مشہور تھا جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو اس کے کچھ عرصہ بعد یہ شخص بغض اور حسد سے بھر گیا اور اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ چلا گیا اور قریش مکہ کو آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے خلاف اکساتا رہا چنانچہ اب جنگ اُحد میں وہ قریش کا حمائتی بن کر مسلمانوں کے خلاف شریکِ جنگ ہوا۔ اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ ابو عامر کا بیٹا حنظلہ ایک نہایت مخلص مسلمان تھا اور اس جنگ کے موقع پر اسلامی لشکر میں شامل تھا۔ اور نہایت جانبازی کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہوا۔ ابو عامر چونکہ قبیلہ اوس کے ذی اثر لوگوں یں سے تھا اس لئے اسے یہ پختہ امید تھی کہ اب جو میں اتنے عرصہ کی جدائی کے بعد مدینہ والوں کے سامنے ہوں گا تو وہ میری محبت میں فوراً محمد ﷺ کو چھوڑ کر میرے ساتھ آملیں گیا سی امید میں ابو عامر اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کسب سے پہلے آگے بڑھا اور بلند آواز سے پُکار کر کہنے لگا ''اے قبیلہ اوس کے لوگو! میں ابو عامر ہوں'' انصار نے یک زبان ہو کر کہا ''دُور ہو جا اے فاسق، تیری آنکھ ٹھنڈی نہ ہو'' اور ساتھ ہی پتھروں کی ایک ایسی باڑ ماری کہ ابو عا اور اس کے ساتھی بدحواس ہو کر پیچھے کی طرف بھاگ گئے۔ اس نظارہ کو دیکھ کر قریش کا علم بردار طلحہ بڑے جوش کی حالت مین آگے بڑھا اور بڑے متکبرانہ لہجہ میں مبارز طلبی کی حضرت علیؓ آگے بڑھے اور دو چار ہاتھ میں طلحہ کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد طلحہ کا بھائی عثمان آگے آیا اور ادھر سے اس کے مقابلہ پر حضرت حمزہ نکلے اور جاتے ہی اُسے مار گرایا۔ کفار نے یہ نظارہ دیکھا تو غضب میں آ کر عام دھاوا کر دیا۔ مسلمان بھی تکبیر کے نعرے لگاتے آگے بڑھے اور دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں غالبًا اسی موقع پر آنحضرت ﷺ نے اپنی تلوار ہاتھ میں لیکر فرمایا ''کون ہے جو اسے لیکر اس کا حق ادا کرے''۔ بہت سے صحابہ نے اس فخر کی خواہش میں اپنے ہاتھ پھیلائے جن میں حضرت عمرؓ اور حضرت زبیرؓ بلکہ بعض روایات کی رُو سے حضرت ابوبکر و حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔ مگر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ روکے رکھا اور یہی فرماتے گئے ''کوئی ہے جو اس کا حق ادا کرے''۔ آخر ابو دجانہ انصاری نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور عرض کیا ''یا رسول اللہ! مجھے عنایت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے یہ تلوار انہیں دے دیا اور ابو دجانہ اسے ہاتھ میں لے کر تبختر کی چال سے اکڑتے ہوئے کفار کی طرف آگے بڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا ''خدا کو یہ چال بہت ناپسند ہے، مگر ایسے موقعہ پر ناپسند نہیں۔ زبیر جو آنحضرت ﷺ کی تلوار لینے کے سب سے زیادہ خواہشمند تھے اور قرب رشتہ کی وجہ سے اپنا حق بھی زیادہ سمجھتے تھے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگے کہ کیا وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یہ تلوار نہیں دی اور ابو دجانہ کو دے دی اور اپنی اس پریشانی کو دُور کرنے کے لئے انہوں نے دل میں یہ عہد کیا کہ میں اس میدان میں ابو دجانہ کے ساتھ ساتھ رہوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ اس تلوار کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ابو دجانہ نے اپنے سر پر ایک سرخ کپڑا باندھا اور اس تلوار کو لے کر حمد کے گیت گنگناتا ہوا مشرکین کی صفوں میں گھس گیا اور میں نے دیکھا کہ جدھر جاتا تھا گویا موت بکھیرتا جاتا تھا اور میں نے کسی آدمی کو نہیں دیکھا جو اس کے سامنے آیا ہو اور پھر وہ بچا ہو۔ حتیٰ کہ وہ لشکر قریش میں سے اپنا راستہ کاٹتا ہوا لشکر کے دوسرے کنارے نکل گیا جہاں قریش کی عورتیں کھڑی تھیں۔ ہند زوجہ ابوسُفیان جو بڑے زور شور سے اپنے مردوں کو جوش دلا رہی تھی اس کے سامنے آئی اور ابو دجانہ نے اپنی تلوار اُس کے اُوپر اُٹھائی۔ جس پر ہند نے بڑے زور سے چیخ ماری اور اپنے مردوں کو امداد کے لئے بُلایا مگر کوئی شخص اُس کی مدد کو نہ آیا، لیکن میں نے دیکھا کہ ابو دجانہ نے خود بخود ہی اپنی تلوار نیچے کر لی اور وہاں سے ہٹ آیا۔ زبیر روایت کرتے ہیں کہ اس موقعہ پر میں نے ابو دجانہ سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ پہلے تم نے تلوار اُٹھائی اور پھر نیچے کر لی۔ اُس نے کہا میرا دل اس بات پر تیار نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار ایک عورت پر چلاؤں اور عورت بھی وہ جس کے ساتھ اس وقت کوئی مرد محافظ نہیں۔ زبیر کہتے ہیں میں نے اُس وقت سمجھا کہ واقعی جو حق رسول اللہ ﷺ کی تلوار کا ابو دجانہ نے ادا کیا ہے وہ شاید میں نہ کر سکتا اور میرے دل کی خلش دور ہو گئی۔ الغرض قریش کے علمبردار کے مارے جانے کے بعد دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں اور سخت گھمسان کا رَن پڑا اور ایک عرصہ تک دونوں طرف سے قتل و خون کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر آہستہ آہستہ اسلامی لشکر کے سامنے قریش کی فوج کے پاؤں اکھڑنے شروع ہوئے

(باقی آئندہ، انشاءاللہ)

Vol. 12 Monthly Akhbar-e-Ahmadiyya Germany Issue 5
National Shoba Tasneef, Ahmadiyya Muslim Jamaat, Genfer Str.11, 60437 Frankfurt/M, Tel:069-50688652, Fax:069-50688666, Email: akhbar3@yahoo.com

سفرنامہ

محمد انیس دیالگڑھی

پسِ دیوارِ برلن

برلن کے اسٹیشن سے گاڑی کیا نکلی، چند ایک کی تو جان ہی نکل گئی، مفت کی سیر اور مفت کی عیش، چشم زدن میں ختم ہوگئی۔ چار دن گورنمنٹ جرمنی کی دعوت پر برلن میں گزرے اور خوب گزرے اور یہ چار دن اسقدر بھرپور تھے کہ ہمارے ہم سفروں میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ''دو آرزو میں گزرے دو انتظار میں''۔

میرے اور طارق ارشد کے لیے بھی یہ سفر سایہ و چشمہ بصحرا سے کم نہ تھا مگر اندیشہء منزل اور غم روزگار بھی ساتھ تھا۔ اس وجہ سے ہمارے لیے واپسی اتنی دشوار نہ تھی جتنی اُن چند ایک کے لیے جو پہلی دفعہ گھر سے نکلے تھے اور وہ بھی سرکاری خرچ پر لہذا انہوں نے خوب انجوائے کیا اور خوب عیش کی اور ابھی تو ان میں سے چند ایک کا حلق ہی تر ہوا تھا کہ آواز جرس سے سارا نشہ ہرن ہوگیا۔

موسم بہار میں جرمنی کے ایک خوبصورت سرحدی شہر ''آخن'' سے پرانے شناسا، طارق ارشد کا فون آیا کہ جرمنی کی وفاقی وزیر صحت محترمہ Frau Ulla Schmidt نے برلن کے ٹور کی دعوت دی ہے کیا خیال ہے؟ پہلے تو طبیعت مائل نہ تھی مگر طارق ارشد کے اصرار پر حامی بھر لی کہ میں کون سا اکیلا ہوں گا، طارق ارشد بھی ساتھ ''سفر'' کرے گا۔ چند دنوں کے بعد محترمہ وزیر صاحبہ موصوفہ کی طرف سے باقاعدہ دعوت نامہ اور پروگرام مل گیا۔ دعوت نامہ میں ذکر تھا کہ 13 نومبر 2006ء سے 16 نومبر 2006ء تک ایک گروپ گورنمنٹ آف جرمنی کے خرچ پر پولیٹیکل انفارمیشن کے سلسلے میں برلن جارہا ہے اس گروپ میں آپ بھی شامل ہیں لہذا 13 نومبر کو آخن کے ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو دیکھا کہ 52 افراد کا ایک گروپ سفر کے لیے تیار کھڑا ہے اور گاڑی کے انتظار میں ہے۔ ہم دونوں کے شامل ہونے سے یہ گروپ 54 افراد کا ہوگیا۔ اس گروپ میں میرے اور طارق ارشد کے سوا سارے خواتین وحضرات جرمن تھے۔

وزیر صحت کی سیکرٹری صاحبہ سب کو خوش آمدید کہنے اور ٹکٹ دینے کے لیے وہاں موجود تھیں۔ ویسے تو زندگی میں بہت سے سفر کیے لیکن یہ سفر چند ایک خصوصیات کا حامل تھا ایک تو یہ کہ ایک وفاقی وزیر کی دعوت پر سرکاری مہمان تھے دوسرے یہ کہ ہمیں ''پائی نہ دھیلا'' کچھ بھی خرچ نہ کرنا تھا۔ تیسرے سیر کا پروگرام اور وہ بھی معلومات سے بھرپور۔ ایک خاص بات جو میرے لیے تھی وہ یہ تھی کہ خاکسار 1984ء میں برلن آیا تھا اور اسکے بعد آج تک وہاں جانا نہ ہوا تھا۔ مگر اب یہ برلن وہ برلن نہ تھا جو میں نے 1984ء میں دیکھا تھا سب کچھ تبدیل ہو چکا تھا عمارتیں سڑکیں اسٹیشن اور سب سے بڑی بات یہ کہ میں بھی تبدیل ہو چکا تھا ایسٹ برلن کے علاقے کی حالت بھی ویسٹ برلن جیسی ہی تھی بلکہ ویسٹ سے بڑھ کر کہ شروع شروع میں یعنی دیوار برلن کے گرنے کے بعد ایسٹ برلن میں قیمتیں کم تھیں تو بڑی بڑی کمپنیوں نے فوراً سستے داموں خرید کر بڑے بڑے کمپلیکس تعمیر کر دیئے ۔یکجہتی کے بعد مشرقی علاقہ کے آثار تقریباً ختم ہو چکے ہیں۔ سوائے چند ایک مخصوص علاقوں کے، ہاں ایک فرق واضح تھا کہ 1984ء میں ویسٹ برلن میں گھومتے ہوئے ایسٹ برلن کا ٹاور نظر آیا کرتا تھا مگر وہاں جانا تقریباً ناممکن تھا۔ حالیہ سفر میں تو کئی دفعہ وہاں جانا ہوا۔ اس ٹاور کے ساتھ ہی ایک مشہور چرچ ہے جو برلن میں سب سے پہلے تعمیر ہوا۔ اس چرچ کو نکولائی چرچ کہتے ہیں اسی نسبت سے اس علاقے کو نکولائی فیئرٹل Nicolei Viertel کہا جاتا ہے۔ برلن کے اسٹیشن پر پہنچتے ہی ایک خاتون نے ہمارے گروپ کا استقبال کیا اور ساتھ یہ بھی بتایا کہ اس سفر میں وہ ہماری گائیڈ ہوں گی۔ اس خبر کے ساتھ ہی انہوں نے ایک حکم نما درخواست کر دی کہ اس وقت دوپہر کے ڈھائی بج رہے ہیں، آپ لوگ تیار ہو کر ٹھیک سوا تین بجے ہوٹل کے استقبالیہ ہال میں تشریف لے آئیں۔ ہوٹل کے سامنے ایک بس کھڑی ہوگی، آپ اس میں سوار ہو جائیں چار بجے ہم لوگوں کو سٹاسی سنٹر ehemalige.stasi zentrale میں پہنچنا ہے ہم تو پہلے ہی درخواستوں کے لبادے میں لپٹے ہوئے حکموں کے عادی تھے۔ قبل از وقت ہی بس کے سامنے کھڑے تھے جس کے سامنے چھوٹا سا بورڈ بھی آویزاں تھا۔ پریس اینڈ انفارمیشن آفس گورنمنٹ آف جرمنی'' (Press and Information Office,Government of Germany)

سوا تین بجے بس روانہ ہوئی گائیڈ نے اپنا اور ڈرائیور کا تعارف کروایا۔ خوش آمدید اور خیر سگالی کے رسمی فقرات کے بعد کمنٹری شروع کر دی۔ ہم دونوں غیر ملکی تھے سمجھنے کی غرض سے غور سے سننے کے لیے کان استعمال کرنے لگے مگر جب کھڑکی کے باہر شہر کی رونق اور رنگینیاں دیکھتے تو کان بھی ساتھ دیکھنا شروع کر دیتے اور گائیڈ کی کمنٹری کی طرف توجہ نہ رہتی اور اگر گائیڈ کے الفاظ پکڑنے کی کوشش کرتے تو باہر کے منظر کا لطف کم ہونے لگتا پتہ نہیں غالب نے کیسے کہہ دیا تھا کہ،

''مدت ہوئی کہ آشتی ءچشم وگوش ہے''

چند ایک معلومات جو زبردستی دماغ میں داخل ہوگئیں وہ کچھ یوں ہیں کہ، برلن شہر کا آغاز بارھویں صدی عیسوی میں ہوا 1237ء میں باقاعدہ شہر کا درجہ دیا گیا، 1871ء سے لیکر 1945ء تک جرمنی کا دارالخلافہ رہا دوسری جنگ عظیم میں بُری طرح تباہ ہوا۔ پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق اسکو تقسیم کیا گیا۔ 1961ء میں دیوار برلن تعمیر ہوئی اور پھر یہ دیوار 9 نومبر 1989ء کو ڈھا دی گئی اور 2000ء میں برلن کو پھر باقاعدہ جرمنی کا دارالخلافہ بنا دیا گیا۔ اس شہر کی آبادی 3,4 ملین یعنی 34 لاکھ ہے جن میں سے ایک لاکھ تیس ہزار ترک ہیں جبکہ سابقہ سوویت یونین کے ایک لاکھ پندرہ ہزار باشندے بھی یہاں بستے ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً 30 ہزار پولینڈ کے لوگ صرف کام کی غرض سے یہاں آتے ہیں اور پورا ہفتہ کام کرنے کے بعد ویک اینڈ پر پولینڈ واپس چلے جاتے ہیں۔ ٹریفک کا اژدہام ہماری بس کو آہستہ خرامی پر مجبور کر رہا تھا مگر ٹھیک چار بجے ہم منزل مقصود پر تھے۔

یہ IMFS کی وسیع وعریض بلڈنگ بلکہ کئی بلڈنگوں پر مشتمل ایک شہر تھا۔ IMFS کا مطلب ہے Innen Ministerium Für Staatsicherheit اس کو عرف عام میں سٹازی سنٹر Stasi zentrale بھی کہا جاتا تھا۔ اس سابقہ سٹازی سنٹر میں بھی گائیڈ انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے بھی رسمِ خوش آمدید کہنے کے بعد مشرقی جرمنی سوویت یونین اور سٹازی والوں کے وہ پُرزے اڑائے اور اس انداز میں ذکر کیا کہ بعض کے چہروں سے خوف جھلکنے لگا کہ کہیں ابھی سٹازی والوں کی گاڑی نہ آجائے اور پھر۔

''اس قدر تنگ کیا دل کہ میں زنداں سمجھا''

باری باری سارے آفس دکھائے گئے اور ہر آفس کی تصویریں کھینچی جاتی کہ سب بے اختیار کہہ اٹھتے ''ہائے اسقدر ظلم''، ہم پر کوئی خاص اثر نہ ہوا کہ بقول شاعر۔

''خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں''

''ہیں گرفتارِ بلا زنداں سے گھبرائیں گے کیا''

شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ ہم پر اپنے ملک میں اپنی ہی قوم کے لوگوں کی طرف سے ظلم ڈھائے گئے اور ہر قسم کی پابندیاں لگائیں گئیں اور نفرت کا وہ بازار گرم کیا گیا کہ الاماں والحفیظ۔

گائیڈ ہماری طرف بھی کبھی کبھی نظرِ حیرت سے دیکھتا تھا یا تو ہمیں جرمن زبان سے نابلد سمجھتا ہوگا یا پھر سنگ دل سمجھ کر چھوڑ دیا ہوگا۔ اُس نے نسوار والا واقعہ نہیں سُن رکھا تھا ورنہ وہ سٹازی کے جرائم میں ایک اور جرم کا اضافہ کر دیتا۔ بہرحال ایک بات تو مسلّم ہے کہ سابقہ مشرقی جرمنی میں اتنی آزادی نہیں تھی جتنی مغربی جرمنی میں بلکہ یوں کہیئے کہ سیاسی آزادی بالکل نہیں تھی۔ جہاں تک ان کے سوشل سسٹم کا تعلق ہے اس کے بعض فوائد بھی تھے مثلاً یہی کہ بے روزگاری تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی، فیملی سسٹم بہت اچھا تھا، سکول اور پڑھائی مفت تھی، ہاں پرائیویٹ کاروبار نہ ہونے کے برابر تھا کہ گورنمنٹ کی طرف سے قیمتیں مقرر تھیں اور صرف اُسی قیمت پر کوئی چیز فروخت کی جاسکتی تھی مثلاً اگر بریڈ ایک DM کی تھی تو ہر سٹور پر ایک DM کی ملے گی، کمی یا بیشی کی اجازت نہیں تھی ایسا سسٹم مسابقت اور کوالٹی کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ سامانِ عیش وراحت خریدنے کی اجازت تو تھی مگر کسی میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ خرید سکے مثلاً روسی TV تقریباً 6000DM میں ملتا تھا۔ اسی طرح نئی گاڑی تقریباً 16000DM میں مل جاتی تھی مگر اسکے لیے دس بارہ سال انتظار کرنا پڑتا تھا لہذا پرانی کاریں نئی کاروں سے مہنگی تھیں۔ اس طرح گورنمنٹ کے فلیٹ بہت معمولی کرایہ پر مل جاتے تھے، دو کمرے کا فلیٹ تقریباً ساٹھ یا ستر DM میں مل جاتا تھا۔ ایک قابل قدر اور نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ سابقہ DDR میں کوئی گداگر نظر نہیں آتا تھا نہ ہی کسی کو مانگنے کی عادت تھی۔ اس کے باوجود ایک ایسا انسان جو آزادی کا عادی ہو وہ ان حالات میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ آزادی انسان کی فطرت میں داخل ہے اور اُس کا بنیادی حق ہے۔

سٹازی سنٹر کی سیر کے بعد ایک ریسٹورانٹ میں شام کا کھانا کھایا اور اس طرح یہ پہلا دن تمام ہوا۔ ہم دونوں تو برلن مشن ہاوس جا پہنچے جبکہ باقی تمام لوگ بھی کسی نہ کسی پروگرام پر نکل کھڑے ہوئے کہ اب آزادی تھی اور سٹازی سنٹر کی کہانی سننے کے بعد تو وہ اپنی اس آزادی کو پوری طرح استعمال کرنا چاہتے تھے اور کیا بھی۔

کئی یار لوگوں نے تو یہ روٹین بنا لی کہ شام کو پروگرام ختم ہوتے ہی آتشیں پا ہو جاتے، نہ معلوم وہ رات کب واپس آتے مگر اگلے دن صبح دس بجے بس میں موجود ہوتے۔

(باقی آئندہ انشاءاللہ۔)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆